

مولانا طباطبائی کے نزدیک تشبیہ نہایت بدیع ہے اور انصاف یہ ہے کہ
نئی ہے۔

۶۔ پہلے مصرعہ میں دونوں جگہ "واں" سے مراد کعبہ ہے۔

شرح: اگرچہ بُت اب کعبے میں نہیں، لیکن اس سے تو کوئی انکار نہیں
کر سکتا کہ کبھی وہاں تھے اور نکالے گئے۔ گویا انھیں کعبے سے ایک نسبت ضرور
پیدا ہو گئی، اگرچہ وہ دور کی ہے۔

معلوم ہے کہ قریش نے دینِ حق سے گمراہی اختیار کی تو رفتہ رفتہ بت پرستی
م شروع کر دی تھی، بلکہ ہبت سے بُت کعبے کے اندر لے گئے، جن کی تعداد
فتح مکہ کے وقت تین سو ساٹھ تک پہنچی ہوئی تھی۔ مرزا غالب نے کعبے سے
بتوں کی نسبت کے متعلق جو استدلال کیا ہے، ظاہر ہے کہ وہ منطقی نہیں، شاعرانہ
ہے اور اسے منطق کی ترازو میں نہ تولنا چاہیے، البتہ شاعرانہ نقطہ نگاہ سے
جو نسبت پیدا کی، وہ ہر شخص کے دل کو پسند آتی ہے۔

۷۔ شرح: بلاشبہ حضرت موسیٰؑ نے ربِ ارنی (اے پروردگار تو
مجھے اپنا جمال دکھا) کہا، جواب ملا، لن ترانی (تو مجھے قطعاً نہ دیکھ سکے گا)
مرزا فرماتے ہیں، کیا یہ لازم ہے کہ سب کو ایک سا جواب ملے۔ اگر حضرت
موسیٰؑ کو جلوہ نہ دکھایا گیا تو ضروری نہیں کہ ہمیں بھی جواب صاف ملے۔ اچھا، کم از کم
تجربہ تو کر لینا چاہیے۔ آئیے، ادرا کوہِ طور کی سیر کر آئیں اور دیکھیں کہ واقعی وہی
جواب ملتا ہے۔

شعر میں خوبی کا ایک پہلو یہ ہے کہ جلوے کی طلب تو ہے اور یہ بھی کہ حضرت
موسیٰؑ کو جواب صاف مل جانے کے باوجود نچلے بیٹھنے کے لیے تیار نہیں۔ پھر
یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر خدا سخاوت سے جواب ملا تو کم از کم کوہِ طور کی سیر تو ہو جائیگی
اُس تجلی گاہ کو تو دیکھ آئیں گے، جہاں ایک مرتبہ حضرت موسیٰؑ کے لیے ہمارے
محبوب نے ایک جھلک کا تماشا دکھایا تھا۔